© rasailojaraid.com

سنہ ۶ بعدِ بعثت سے سنہ ۱۰ بعدِ بعثت تک

(۲)

مُقاطعہ کا خاتمہ کس طرح ہوا

کفّارِ مکہ کے سربرآوردہ اور ضدّی سرداروں نے اگرچہ وقتی طور پر غصہ دلا کر اپنے شہر کے دو بڑے خاندانوں کا مقاطعہ باقی سب خاندانوں سے کرا لیا تھا، مگر مکہ میں کوئی خاندان بھی ایسا نہ تھا جس کی رشتہ داریاں بنی ہاشم اور بنی المُطَّلِب کے ساتھ نہ ہوں۔ اس لیے ابتدا ہی سے متعدد لوگوں کو اپنے بھائی بندوں کا یہ مُقاطَعہ ناگوار تھا اور جوں جوں یہ طویل ہوتا گیا، اس کے خلاف جذبہ تیز سے تیز تر ہوتا چلا گیا، کیونکہ بنی ہاشم اور بنی المطلب پر فاقہ کشی کی نوبت آگئی تھی، ان کے بچوں کے رونے اور بلکنے کی آوازیں آس پاس کے محلوں تک پہنچ رہی تھیں، اور دوسرے خاندانوں میں اُن کے رشتہ دار، جو پڑوس ہی میں رہتے تھے، ان آوازوں کو سُن سُن کر بے تاب ہوئے جاتے تھے۔ موسیٰ بن عُقبہ کا بیان ہے کہ تیسرے سال کے اختتام پر بنی عبدِ مناف، بنی قُصَیّ اور دوسرے اُن لوگوں نے جن کے شادی بیاہ کے رشتے بنی ہاشم سے تھے، ایک دوسرے کو ملامت کی اور صاف صاف کہنا شروع کر دیا کہ یہ قطع رحمی ہے جو ہم نے کی۔ یہ حرکت کر کے ہم نے خاندانی حقوق کا استخفاف کیا ہے۔

طَبَری اور ابنِ ہشام نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے اور بَلاذُری نے واقِدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آخر کار ہشام بن عَمرو العامری اِس کام کا بیڑا لے کر اُٹھا کہ وہ اس مقاطعے کا خاتمہ کرا کے چھوڑے گا۔ سب سے پہلے وہ بنی مخزوم کے رئیس، زُہَیر بن ابی اُمَیّہ سے ملا جو حضرت ام سَلَمہؓ کا بھائی اور حضورؐ کی پھوپھی عاتِکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ اس نے کہا، اے زُہیر! کیا تم اس سے خوش ہو کہ اطمینان سے کھاؤ، پیو، شادیاں کرو، اور تمہاری ننہیال کے لوگ بھوکے مریں، ان سے لین دین کا مقاطعہ کیا جائے اور ان سے شادی بیاہ کے رشتے توڑ لیے جائیں؟ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر معاملہ ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) کا ہوتا، اور تم نے اس کی ننہیال کے ساتھ وہ معاملہ کرنے کی دعوت دی ہوتی جو اُس نے تمہاری ننہیال کے ساتھ کرنے کی دعوت دی ہے، تو وہ ہرگز نہ مانتا۔ زُہَیر نے کہا، ہشام، میں اکیلا آدمی کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر سکتا ہوں ۔ اگر کوئی اور بھی ساتھ دینے والا ہوتا تو میں مقاطعہ کی دستاویز کو پھڑوائے بغیر نہ چھوڑتا۔ ہشام نے کہا ایک آدمی ساتھ دینے والا تو میں موجود ہوں ۔ زُہَیر نے کہا ایک اور آدمی تلاش کرو۔

پھر ہشام بنی نوفل بن عبدِ مَناف کے سردار مُطعِم بن عَدِی کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ اے مُطعِم کیا تم راضی ہو کہ بنی عبدِ مَناف کے دو خاندان ہلاک ہو جائیں اور تم تماشا دیکھتے رہو؟ اگر اُن کے معاملہ میں تم نے قریش کا ساتھ دیا اور قریش کو اس طرح اُن کا خاتمہ کرنے کے لیے چھوڑ دیا تو جلدی ہی ایک دن یہی کچھ تمہارے ساتھ ہوگا۔ اُس نے کہا میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں؟ کسی اور کو ساتھ ملاؤ۔ ہشام نے کہا، ایک میں ہوں اور دوسرا زُہیر بن ابی امیہ۔ مطعم نے کہا ایک اور ساتھی ڈھونڈو۔

اس کے بعد ہشام بنی اسد بن عبد العُزّیٰ کے سردار ابوالبَختَرِی عاص بن ہاشم سے ملا اور اس سے بھی وہی باتیں کہیں جو مُطعِم سے کہی تھیں۔ اُس نے پوچھا کوئی اور بھی ساتھ دینے والا ہے؟ ہشام نے کہا میں ہوں، زُہیر بن ابی اُمیہ ہے، اور مُطعم بن عدی ہے۔ اس نے کہا بس ایک اور آدمی کو ساتھ ملا لو۔ چنانچہ ہشام نے زَمْعَہ بن الاَسْوَد بن المُطَّلِب سے بات کی جو بنی اسد بن عبد العزّیٰ ہی کے سرداروں میں سے ایک تھا، اور اسے بھی اس کام کے لیے ہموار کر لیا۔

پھر یہ پانچوں آدمی رات کے وقت مکہ کے بالائی مقام حَجُون پر ملے اور آپس میں طے کیا کہ کس طرح مقاطعہ کی دستاویز کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ زُہَیر نے کہا کہ میں بات کی ابتدا کروں گا اور تم لوگ میرا ساتھ دینا۔ دوسرے روز صبح کو یہ لوگ قریش کی مجلسوں کی طرف گئے اور زُہیر نے کعبہ کے سات طواف کرنے کے بعد مکہ کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا "اے اہل مکہ! کیا ہم کھائیں پییں اور کپڑے پہنیں اس حال میں کہ بنی ہاشم ہلاک ہو رہے ہیں؟ نہ اُن سے کچھ خریدا جاتا ہے اور نہ اُن کے ہاتھ کچھ فروخت کیا جاتا ہے۔ خدا کی قسم، میں ہرگز نہ بیٹھوں گا جب تک اس ظالمانہ مقاطعہ کی دستاویز پھاڑ نہ دی جائے۔" ابوجہل نے پکار کر کہا، "تم نے جھوٹ کہا، وہ ہرگز نہ پھاڑی جائے گی۔" زَمْعَہ بولا "واللہ، تم سب سے بڑھ کر جھوٹے ہو۔ ہم اُس وقت بھی راضی نہ تھے جب یہ دستاویز لکھی گئی تھی۔" ابوالبَختَرِی نے تائیداً کہا "زمعہ سچ کہتے ہیں، اُس دستاویز میں جو کچھ لکھا گیا ہے، ہم اُس پر ہرگز راضی نہیں ہیں اور نہ اُس کا اقرار کرتے ہیں۔" مُطعِم بن عَدِی نے کہا "تم دونوں سچے ہو اور جھوٹا ہے وہ جو اس کے سوا کچھ کہتا ہے۔ ہم اللہ کے سامنے اِس دستاویز سے، اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اُس سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔" ہِشام بن عَمرو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے بھی اس کی تائید کی۔ اس پر ابوجہل نے کہا کہ "یہ ایک سازش ہے جو رات کو کسی اور جگہ بیٹھ کر تیار کی گئی ہے۔"

قدرتِ الٰہی کا ایک عجیب کرشمہ

ابن سعد اور ابن ہشام اور بلاذری نے لکھا ہے کہ اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے خبر دی گئی کہ مقاطعہ کی دستاویز میں جورِ و ظلم اور قطع رحمی کا جو مضمون لکھا گیا تھا اُس سب کو دیمک چاٹ گئی ہے اور صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے (ابن اسحٰق، موسیٰ بن عُقبہ اور عروہ کا بیان اس کے برعکس یہ ہے کہ اللہ کا نام جہاں تھا اس جگہ کو دیمک نے چاٹ لیا ہے اور صرف ظلم اور قطع رحمی کا مضمون باقی رہ گیا ہے۔ لیکن یہ بات قابلِ قبول نہیں معلوم ہوتی اور صحیح بات وہی ہے جو ابن سعد بلاذری اور ابن ہشام نے لکھی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر اپنے چچا ابوطالب سے کیا۔ اُنہوں نے پوچھا "کیا تمہارے رب نے تمہیں اس کی خبر دی ہے؟" حضورؐ نے فرمایا "جی ہاں"۔ ابوطالب نے اس کا ذکر اپنے بھائیوں سے کیا۔ اُنہوں نے کہا آپ کا کیا خیال ہے؟ ابوطالب نے کہا واللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی مجھ سے کوئی بات جھوٹی نہیں کہی ہے۔ پھر ابوطالب نے پوچھا، اب کیا کرنا چاہیے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری رائے یہ ہے کہ آپ لوگ اپنے بہترین کپڑے پہن کر قریش کی طرف نکلیں اور ان کو یہ بات بتائیں۔ چنانچہ سب نکلے اور حجر میں گئے جہاں قریش کے بڑے اور دانا لوگ بیٹھا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو آتے دیکھ کر سب حاضرین کی نگاہیں ان کی طرف اُٹھ گئیں اور وہ سوچنے لگے کہ آخر یہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

اگرچہ مورخین نے اس بات کی تصریح نہیں کی ہے، لیکن پچھلی روایت اور اِس دوسری روایت کو ملا کر دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالب اور ان کے ساتھی عین اُس وقت حرم میں پہنچے ہوں گے جب زہیر اور اس کے ساتھیوں کا ابوجہل سے جھگڑا ہو رہا تھا اور قریش کے سرداروں کا مجمع اِس قضیئے پر غور کرنے میں لگا ہوا تھا۔ ابوطالب نے وہاں پہنچتے ہی لوگوں کو مخاطب کر کے کہا "ہم ایک بات لے کر آئے ہیں، اس کا وہ جواب دو جو تمہارے نزدیک درست ہو۔" سردارانِ قریش نے کہا "خوش آمدید، اہلاً و سہلاً، ہمارے پاس وہ بات ہے جو آپ کو خوش کرنے والی ہو۔ آپ کیا چاہتے ہیں"۔ ابوطالب نے کہا "میرے بھتیجے نے مجھے یہ خبر دی ہے، اور خدا کی قسم وہ کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔ اب تم وہ صحیفہ منگوا کر دیکھو۔ اگر میرے بھتیجے کی بات سچی ہے تو تمہارے ساتھ اپنی قطع رحمی سے باز آجاؤ اور جو کچھ اس صحیفے میں تم نے لکھا تھا اسے ختم کر دو۔ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا، پھر تمہیں اختیار ہے، چاہو قتل کر دو، چاہو زندہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہنے دو۔" انہوں نے کہا آپ نے یہ انصاف کی بات کہی ہے۔ پھر وہ صحیفہ منگوایا گیا۔ کھول کر دیکھا تو بات وہی سچی نکلی جس کی خبر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اس پر کفار قریش کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور ان کے سر جھک گئے۔ ابوطالب نے کہا "اب تم پر واضح ہوگیا کہ ظلم اور قطع رحمی اور بدسلوکی کے مرتکب تم ہی ہوئے تھے۔ پھر ہم کس قصور میں محبوس رکھے جائیں"؟ پھر ابوطالب اپنے ساتھیوں سمیت کعبہ کے پردوں کے پیچھے گئے اور بیت اللہ کی دیواروں سے لپٹ کر انہوں نے دعا مانگی کہ "خدایا اُن لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما جنہوں نے ہم پر ظلم کیا، ہم سے قطع رحمی کی اور وہ کچھ اپنے لیے حلال کر لیا جو ہمارے معاملے میں اُن پر حرام تھا۔" یہ کہہ کر وہ اپنے ہمراہیوں کو لیے ہوئے اپنی شعب کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان کے اُٹھتے ہی قریش کے بہت سے لوگوں نے اس ظلم پر سخت ملامت کی جو بنی ہاشم پر کیا گیا تھا۔ اُن میں مُطعِم بن عَدِی، عَدِی بن قیس، زَمعہ بن الاَسوَد، ابوالبَختَری بن ہاشم اور زُہیر بن ابی اُمَیّہ پیش پیش تھے۔ پھر یہ لوگ ہتھیار بند ہو کر شعبِ ابی طالب میں گئے اور بنی ہاشم اور بنی المطّلب سے کہا کہ اب آپ لوگ اپنے اپنے گھروں میں جا کر آباد ہوں۔

ابن سعد، بلاذری اور ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ مقاطعہ کا خاتمہ سنہ بعد بعثت میں ہوا۔

حضرت خدیجہؓ اور جناب ابوطالب کی وفات

مقاطعہ اور محصوری کے خاتمے سے حضورؐ کو جو اطمینان نصیب ہوا تھا وہ بہت جلدی پے در پے دو صدموں سے رنج و غم میں تبدیل ہوگیا۔ یہ صدمے حضورؐ کے زبردست حامی و مددگار چچا ابوطالب اور آپ کی انتہائی وفادار و غمگسار بیوی حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تھے۔ اور یہ دونوں صدمے آپؐ کو اسی سنہ بعد بعثت میں پیش آئے جس میں مقاطعہ کا خاتمہ ہوا تھا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات ابوطالب سے پہلے ہوئی (واقدی کی روایت ۳۵ دن پہلے کی ہے)، مگر مشہور اور معتبر بات یہی ہے کہ ابوطالب کا انتقال پہلے ہوا اور اس کے تھوڑی ہی مدت بعد حضرت خدیجہؓ نے وفات پائی۔ بیہقی اور ابن ہشام نے محمد بن اسحاق کا یہ مجمل بیان نقل کیا ہے کہ ان دونوں کی وفات ہجرت سے تین سال پہلے ایک ہی سال میں ہوئی۔ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں کہ ابوطالب کی وفات شعب سے نکلنے کے ۶ مہینے بعد ہوئی اور اُن کے تین دن بعد حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ ۱۵ شوال سنہ بعد بعثت میں ابوطالب کی وفات ہوئی اور اُس وقت اُن کی عمر ۸۰ سال تھی۔ اس کے ایک مہینہ پانچ دن بعد حضرت خدیجہؓ نے وفات پائی، اور اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال تھی۔ ابن اثیر نے ابوطالب کی وفات کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شوال یا ذی القعدہ سنہ ۱۰ بعد بعثت کا واقعہ بیان کیا ہے، اور مختلف اقوال میں سے اِس قول کو ترجیح دی ہے کہ اُن کی اور حضرت خدیجہؓ کی وفات میں ۳۵ دن کا فصل تھا۔ حافظ ابو الفرج ابن الجوزی دونوں کی وفات کے درمیان صرف ۵ دن کا اور ابن قُتَیبہ تین دن کا فصل بتاتے ہیں۔ مَواہِبُ اللّدُنّیہ میں قسطلانی نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات رمضان سنہ ۱۰ بعد بعثت میں ہوئی۔ اور بَلاذُری نے حکیم بن حِزام کے حوالہ سے تاریخ وفات ۱۰ رمضان سنہ ۱۰ بعد بعثت لکھی ہے۔

کفار کی اذیت رسانیاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِس سال کو عامُ الحُزن (غم کا سال) فرمایا کرتے تھے۔ ان دونوں حادثوں کے بعد ایک طرف تو حضورؐ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا، اور دوسری طرف یکایک قریش کے لوگ یہ دیکھ کر کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پُشتیبان اب کوئی نہیں رہا ہے، آپ کے مقابلے میں بہت جری ہو گئے تھے۔ ابو طالب کی زندگی میں جو اذیتیں وہ آپؐ کو نہ پہنچا سکتے تھے، وہ اب انہوں نے پہنچانی شروع کر دیں۔ بَیہَقی نے عُروَہ بن زبیر کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قریش ابو طالب کی وفات تک بزدل بنے رہے"۔ حاکم نے عُروَہ بن زبیر کی یہی روایت اِنہی الفاظ میں حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے سُنا۔

ابن اسحاق نے قریش کی بڑھتی ہوئی جرأتوں کی ایک مثال عروہ بن زبیر کے حوالہ سے بیان کی ہے کہ ایک روز قریش کے ایک اَوباش نے سربازار حضورؐ کے سرِ مبارک پر مٹی ڈال دی۔ آپ اسی حال میں گھر تشریف لے گئے۔ صاحبزادیوں میں سے ایک آپ کا سر دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں، اور حضورؐ انہیں تسلّی دینے کے لیے یہ فرماتے جاتے تھے کہ "رو نہیں میری بیٹی، اللہ تیرے باپ کا حامی ہے"۔

امام بخاری نے کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجزیہ، کتاب الجہاد اور کتاب المغازی میں متعدد جگہ یہ روایت حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے نقل کی ہے کہ حضورؐ ایک روز کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور قریش کے لوگ اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے (مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ ابو جہل نے) کہا تم میں سے کون ہے جو جا کر فلاں شخص کے گھر سے ذبح کی ہوئی اُونٹنی (مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جو ایک دن پہلے ذبح کی گئی تھی) کے پیٹ کی آلائش اور اس کا اوجھ اور خون سے لتھڑی ہوئی بچہ دانی اُٹھا لائے اور اِس شخص کی پیٹھ پر سجدے کی حالت میں رکھ دے؟ اِس پر اُن کا سب سے زیادہ شقی آدمی عُقبَہ بن ابی مُعَیط اُٹھا اور یہ گندگی لا کر اس نے سجدے کی حالت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں حضورؐ کی پیٹھ پر یا دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دی۔ اس کے بوجھ کی وجہ سے حضورؐ سجدے ہی میں پڑے رہے، سر نہ اُٹھا سکے۔ قریش کے لوگ یہ منظر دیکھ دیکھ کر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوئے جاتے تھے اور ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ اتنے میں کسی نے جا کر آپ کے گھر میں یہ خبر پہنچا دی۔ حضرت فاطمہؓ سُن کر دوڑی ہوئی آئیں، اور انہوں نے یہ گندگی کا انبار آپؐ کے اُوپر سے کھینچ کھینچ کر پھینکا، اور پھر قریش کے لوگوں کو مخاطب کر کے انہیں بہت بُری طرح ڈانٹا اور ان لوگوں کو بد دُعائیں دیں جنہوں نے یہ حرکت کی تھی (حافظ بزّار نے یہ اضافہ کیا ہے کہ کفار میں سے کسی نے حضرت فاطمہ کو کچھ نہ کہا)۔ نماز ختم کرنے کے بعد حضورؐ نے فرمایا، "خدایا، قریش سے نمٹ لے"۔ کسی روایت میں یہ ہے کہ حضورؐ نے یہ بات دو مرتبہ فرمائی اور کسی میں ہے کہ تین مرتبہ فرمائی۔ بخاری کی روایت ہے کہ حضورؐ کی یہ بد دُعا قریش کو بہت شاق گزری، اور مسلم کی روایت ہے کہ حضورؐ کی آواز سُن کر اُن لوگوں کی ساری ہنسی رخصت ہو گئی اور وہ آپؐ کی بد دُعا سے خوف زدہ ہو گئے۔ ایک اور روایت میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضورؐ نے نام لے لے کر ابو جہل، عُتبہ بن ربیعہ، شَیبہ بن ربیعہ، ولید بن عُتبہ بن ربیعہ، اُمیّہ بن خلف، عُقبہ بن ابی مُعیط، اور عُمارہ بن ولید کو بد دُعا دی۔ (اس حدیث کو بخاری و مسلم کے علاوہ امام احمد، نسائی، بزّار، طبرانی اور ابو داؤد طیالسی وغیرہم نے بھی نقل کیا ہے۔ طیالسی کی روایت میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا یہ قول بھی منقول ہوا ہے کہ میں نے حضورؐ کو اُس دن کے سوا کبھی ان لوگوں کے حق میں بد دُعا کرتے نہیں سُنا)۔

اگرچہ اس حدیث کے روایت کرنے والے محدثین نے یہ نہیں بتایا ہے کہ یہ واقعہ کس زمانے میں پیش آیا تھا۔ لیکن ایک بات اس میں ایسی ہے جو اس کا زمانہ قریب قریب متعین کر دیتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضورؐ پر بحالت سجدہ اونٹنی کا اوجھ ڈالے جانے کی اطلاع جب حضورؐ کے گھر پہنچی تو حضرت فاطمہؓ دوڑی ہوئی آئیں اور انہوں نے اسے کھینچ کر حضورؐ کے شانوں پر سے اتارا۔ حضرت فاطمہؓ کے متعلق ابن عبدالبرّ نے استیعاب میں لکھا ہے کہ وہ اُس وقت پیدا ہوئی تھیں جب حضورؐ کا سِن شریف ۴۱ سال تھا۔ زُرقانی نے شرح مَواہب میں اِسی کو صحیح کہا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس واقعہ کے وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر کم از کم ۹ سال کی تو ہونی چاہیے تھی، کیونکہ اس سے کم عمر کی لڑکی کے لیے یہ مشکل تھا کہ آلائش سے بھرا ہوا اونٹنی کا اوجھ اور بچہ دان کھینچ کر اُتار سکتی۔ اس لیے ہمارا خیال یہ ہے کہ کفار نے یہ بیہودگی اُسی زمانہ میں کی تھی جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت خدیجہؓ اور جناب ابوطالب کا انتقال ہو چکا تھا۔

ابوطالب کی وصیتیں

علامہ قسطلانیؒ نے مواہب اللدنیہ میں اور علامہ زرقانیؒ نے اس کی شرح میں ہشام بن محمد بن السائب کلبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب ابوطالب کے آخری وقت میں قریش کے سردار ان سے ملنے کے لیے آئے تو انہوں نے قریش کی خوبیاں اور ان کے فضائل بیان کرنے کے بعد ان سے کہا کہ دیکھو، اس خانہ کعبہ کی تعظیم ملحوظ رکھنا کہ اس میں رب کی خوشنودی ہے۔ صلہ رحمی کرنا۔ ایک دوسرے پر زیادتی اور حق ماری نہ کرنا۔ دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنا۔ سائل کی حاجت روائی کرنا۔ صداقت اور ادائے امانت کے پابند رہنا۔ پھر اسی سلسلے میں انہوں نے کہا کہ "میں تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا، کیونکہ وہ قریش میں امین اور تمام عرب میں صادق ترین آدمی ہے اور وہ اُن تمام خوبیوں کا جامع ہے جو میں نے تم سے بیان کی ہیں۔ وہ ایسی بات لایا ہے جسے دل مانتا ہے اور زبان لوگوں کی دشمنی کے خوف سے اس کا انکار کرتی ہے۔ مگر خدا کی قسم، میں گویا آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے کنگال اور اطراف و نواح کے لوگ اور کمزور لوگ آگے بڑھ کر اس کی دعوت قبول کرلیں گے، اس کے کلمہ کی تصدیق کریں گے، اس کے کام کو بڑھائیں گے، اور وہ انہیں لے کر خطرات کے میدان میں کود پڑے گا، اور قریش کے سردار اور اکابر دُم چھلے بن کر رہ جائیں گے"۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ مرتے وقت ابوطالب نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ "تم ہمیشہ بخیر رہوگے جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات سُنتے رہوگے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے رہوگے۔ لہٰذا اُس کا اتباع کرو اور اس کی مدد کرو، راہ راست پر رہوگے"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا "چچا جان، آپ ان لوگوں کو تو نصیحت کرتے ہیں مگر خود اپنے آپ کو کیوں چھوڑے دے رہے ہیں"۔ انہوں نے جواب دیا "مگر میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں موت کے وقت گھبرا کر گھٹ جانے والا قرار دیا جاؤں، اور قریش کے لوگ یہ رائے قائم کریں کہ میں نے صحت کی حالت میں تو اس چیز کو رد کیا اور اب گھبراہٹ میں اسے اختیار کر لیا"۔

ابن سعد نے امام محمد بن سیرین کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب ابوطالب کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلا کر کہا "بھتیجے، جب میں مرجاؤں تو تم اپنے اخوال (یعنی اپنے دادا کی ننہیال) بنی نجار کے پاس مدینے چلے جانا، کیونکہ وہ اپنے گھروں کی حفاظت میں سب لوگوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑھ کر سنتے ہیں"۔

ان وصیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالب کیسے دانا اور صاحب بصیرت آدمی تھے اور ان کی نگاہ کتنی دُور رس تھی خصوصاً مدینہ کے معاملہ میں انہوں نے ہجرت سے تین سال پہلے جو رائے دی تھی، وہ بالآخر نہایت صحیح ثابت ہوئی، حالانکہ اُس وقت کسی کے سان گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مدینہ ہی اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جان نثار بستی بنے گا اور وہیں سے حضورؐ کو وہ طاقت فراہم ہو گی جو تمام عرب کو مسخر کرلے گی۔ اسی طرح قریش کے سرداروں سے جو کچھ انہوں نے اُس وقت کہا تھا وہ بھی چند ہی سال بعد حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ دوسرے لوگ حضورؐ کا ساتھ دے کر بازی لے گئے اور یہ سردارانِ قریش پیچھے کی صفوں میں پھینک دیے گئے۔ ابن عبد البرؒ نے اِستیعاب میں حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک روز قریش کے شیوخ، جن میں سُہیلؓ بن عَمرو اور ابوسفیانؓ جیسے لوگ شامل تھے امیر المومنین سے ملنے کے لیے آئے اور وہ اجازت کے انتظار میں باہر بیٹھے رہے۔ اس دوران میں بلالؓ اور صہیبؓ اور بعض دوسرے اہل بدر کو اندر بلایا جاتا رہا۔ ابوسفیانؓ نے شکایۃً اپنے ساتھیوں سے کہا کیا وقت آیا ہے کہ ہم جیسے لوگ باہر بیٹھے ہیں اور ان غلاموں کو اندر بلایا جا رہا ہے۔ اس پر سہیلؓ بن عمرو نے کہا کہ آپ حضرات اس کا شکوہ تو اپنے آپ سے کریں۔ جب اسلام کی دعوت دی گئی تھی تو ان لوگوں نے سبقت کی اور آپ لوگ پیچھے بیٹھے رہ گئے۔

ابولہب حضورؐ کی حمایت کے لیے اُٹھتا ہے اور پھر پلٹ جاتا ہے

ابن سعد نے لکھا ہے کہ کہتے ہیں جب حضورؐ کے ساتھ لوگوں کی بدسلوکیاں حد سے بڑھ گئیں تو ایک روز ابولہب آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو کرتے رہو۔ ابوطالب کی زندگی میں جو کام تم کرتے تھے اسے جاری رکھو۔ لات اور عزّیٰ کی قسم، میرے جیتے جی کوئی تم پر ہاتھ نہ ڈال سکے گا۔" اس کے بعد جب حضورؐ گھر سے باہر نکلے اور ابن الغَیطَلَہ[1] نے سر بازار آپ کے اوپر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی تو ابولہب اپنے گھر سے نکل آیا اور اس نے ابن الغیطلہ کی بُری طرح خبر لی۔ اس پر وہ شور مچاتا ہوا بھاگا اور بولا

---

[1] اس شخص کا اصل نام حارث بن قیس بن عدیؒ السّہمی تھا۔ قیس بن عدی کی بیوی بنی مُرّہ کی ایک کاہنہ غَیطَلَہ نامی تھی۔ اس کی ساری اولاد اسی عورت کی نسبت سے غیاطلہ کہلاتی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اے قریش کے لوگو، سنو، ابو عُتبہ بھی دینِ آبائی سے پھر گیا"۔ یہ ہنگامہ سُن کر لوگ ابولہب کے پاس آئے اور ماجرا پوچھا۔ اس نے کہا، میں نے عبدالمطلب کا دین نہیں چھوڑا ہے۔ مگر میں اب اپنے بھتیجے کی حمایت کروں گا کیونکہ اس کا کوئی سرپرست باقی نہیں رہا ہے۔ قریش کے سرداروں نے کہا "یہ تو تم نے بہت اچھا کیا کہ صلۂ رحمی کا حق ادا کرنے کے لیے تیار ہو گئے"۔ اس کے بعد کچھ روز تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم امن میں رہے اور ابولہب کا لحاظ کر کے لوگوں نے آپ کو ستانا چھوڑ دیا۔ آخر کار ایک دن ابوجہل اور عُقبہ بن ابی مُعَیط باہم صلاح مشورہ کر کے ابولہب کے پاس آئے اور اس سے کہا "ذرا اپنے بھتیجے سے یہ تو پوچھ لو کہ اُس کا دادا اور تمہارا باپ عبدالمطلب کہاں جائے گا؟" ابولہب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا۔ آپ نے جواب دیا "جہاں اُن کی قوم جائے گی وہیں وہ بھی جائیں گے"۔ ابولہب نے اپنے دوستوں کو حضورؐ کا یہ جواب سُنا دیا۔ انہوں نے کہا "اجی، کچھ سمجھے بھی؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا باپ جہنّم میں جائے گا"۔ ابولہب نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، کیا عبدالمطلب جہنّم میں جائیں گے"؟ آپ نے فرمایا "ہاں، اور جو شخص بھی اُس دین پر مرے جس پر عبدالمطلب مرے ہیں وہ جہنّم میں جائے گا"۔ یہ سُنتے ہی ابولہب بھِنّا گیا اور تڑخ کر بولا "خدا کی قسم، میں ہمیشہ تیرا دشمن رہوں گا۔ تو سمجھتا ہے کہ عبدالمطلب جہنّمی ہیں"۔ اِس طرح چند روز کے لیے جو دشمنِ خدا حق کا حامی بنا تھا وہ اپنی اصلیت کی طرف پلٹ گیا۔

حضرت سَودہ سے نکاح

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضورؐ کے لیے ایک پریشان کن مسئلہ پیدا ہو گیا تھا کہ گھر میں صرف دو کم سن صاحبزادیاں، حضرت اُم کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ رہ گئی تھیں جن کی خبرگیری کرنے والا کوئی نہ تھا۔ آپ اُس خطرناک زمانے میں فرائضِ رسالت ادا کرنے کے لیے باہر تشریف لے جاتے تو یہ صاحبزادیاں گھر میں بے سہارا رہ جاتیں۔ اس لیے آپ نے حضرت خَدیجہؓ کی وفات کے چند روز بعد حضرت سَودہؓ بنت زَمعَہ[1] سے، جو ایک سن رسیدہ خاتون تھیں اور لڑکیوں کی دیکھ بھال کے لیے زیادہ موزوں ہو سکتی تھیں، نکاح کر لیا[2]۔ یہ خاتون بنی عامر بن لُؤَیّ میں سے تھیں اور ان کے سابق شوہر

[1] یہ نام زَمعَہ اور زَمَعَہ دونوں طرح لکھا جاتا ہے۔

[2] ابن سعد نے واقدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ نکاح رمضان سنہ بعد بعثت میں حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ہوا تھا اور قَسطَلانی نے مواہب اللَّدُنِّیَّہ میں کہا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات رمضان میں ہوئی اور حضرت سَودہؓ سے نکاح شوال میں ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکران بن عمرو ان کے ابن عم اور سہیل بن عمرو کے بھائی تھے۔ دونوں میاں بیوی قدیم الاسلام تھے اور حبشہ کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے تھے۔ موسیٰ بن عقبہ اور ابو معشر کا قول ہے کہ حضرت سکران کا انتقال حبشہ ہی میں ہوگیا تھا۔ مگر محمد بن اسحاق اور واقدی کہتے ہیں کہ وہ حبش سے مکہ واپس آگئے تھے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔ ابن سعد نے واقدی سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ حضورؐ نے جب ان کو نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے معاملہ میں آپ کو ہر طرح کا اختیار ہے۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ کسی کو اپنی طرف سے مقرر کردو کہ وہ میرے ساتھ تمہارا نکاح کردے۔ انہوں نے حضرت حاطبؓ بن عمرو بن عبد شمس کو، جو سہیل بن عمرو کے بھائی اور قدیم الاسلام تھے، اس غرض کے لیے مقرر کردیا اور انہوں نے حضورؐ سے ان کا نکاح کردیا۔

اکثر و بیشتر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ کے بعد پہلی خاتون یہی تھیں جو حضورؐ کی زوجیت میں داخل ہوئیں اور ان کا نکاح حضرت عائشہؓ سے پہلے ہوا۔ ابن عبد البر نے قتادہ اور ابو عبید اور امام زہری کے حوالہ سے یہی بات لکھی ہے۔ ابن سعد نے بھی اسی کی تصریح کی ہے۔ اور ابن اسحاق نے حضرت علیؓ بن حسینؓ (امام زین العابدین) کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ پہلی عورت جن سے حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کے بعد حضورؐ نے نکاح کیا وہ سودہؓ بنت زمعہ تھیں۔

حضرت عائشہؓ سے نکاح | لیکن امام احمد، طبرانی، ابن جریر طبری اور بیہقی نے ایک مفصل روایت اس سے بالکل مختلف نقل کی ہے۔ اس میں یہ ذکر ہے کہ جب حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوگیا تو حضرت عثمانؓ بن مظعون کی بیوی خولہؓ بنت حکیم السلمیہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ شادی کریں گے؟ آپ نے فرمایا کس سے کروں؟ انہوں نے کہا آپ کنواری چاہیں تو وہ بھی موجود ہے، بیوہ چاہیں تو وہ بھی حاضر ہے۔ حضورؐ نے پوچھا کنواری کون؟ انہوں نے کہا تمام خلق میں جو شخص آپ

لہ طبری اور ابن اثیر نے اپنی تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ مکہ سے پھر حبش واپس چلے گئے اور عیسائی ہو کر مرے۔ لیکن بلاذری نے ابن اسحاق اور واقدی کے قول کی توثیق کی ہے اور خود ابن اثیر نے اپنی کتاب اسد الغابہ میں تصریح کی ہے کہ وہ اپنی وفات کے وقت تک مسلمان تھے۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

لہ ابن ہشام اور بعض دوسرے مؤرخین نے ان کا نام خویلہ لکھا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو سب سے زیادہ محبوب ہے اُس کی بیٹی یعنی عائشہؓ بنت ابی بکرؓ۔ پھر آپ نے پوچھا اور بیوہ کون؟ انہوں نے عرض کیا سَوْدَہؓ بنت زَمْعَہ جو آپ پر ایمان لائیں اور جنہوں نے آپ کی پیروی کی آپ نے فرمایا دونوں جگہ جا کر بات کرو۔

پہلے وہ حضرت ابو بکرؓ کے ہاں گئیں اور ان کی اہلیہ اُمِّ رُوْمانؓ سے کہا کیسی خیر و برکت سے اللہ نے تمہیں نواز دیا ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا؟ حضرت خولہ نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہؓ کے لیے پیغام دے کر بھیجا ہے۔ ام رومانؓ نے کہا ابو بکرؓ کو آ جانے دو۔ وہ تشریف لائے تو ام رومان نے ان سے کہا اللہ نے کیسی خیر و برکت سے آپ کو نواز دیا ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا؟ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس عائشہ کے لیے پیغام بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا کیا وہ اُن کے لیے جائز ہے؟ وہ تو ان کی بھتیجی ہے۔ خولہ حضورؐ کے پاس گئیں اور یہ بات آپ سے عرض کی۔ آپ نے فرمایا ان سے کہو تم میرے دینی بھائی ہو۔ تمہاری بیٹی میرے لیے جائز ہے۔ خولہ نے یہی جواب حضرت ابو بکرؓ کو پہنچا دیا۔ انہوں نے کہا ذرا انتظار کرو۔ یہ کہہ کر حضرت ابو بکر چلے گئے۔ ام رومان نے خولہ سے کہا مُطْعِم بن عَدِی نے اپنے بیٹے کے لیے عائشہ کو مانگا تھا۔ اور خدا کی قسم ابو بکرؓ نے کبھی کسی سے وعدہ کر کے اس کے خلاف نہیں کیا۔ اُدھر حضرت ابو بکرؓ مُطْعِم کے پاس گئے۔ اُس کے پاس اس کی بیوی، جو اُس لڑکے کی ماں تھی جس کے لیے مطعم نے پیغام دیا تھا، بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بولی اے ابو بکر، ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر ہم اپنے لڑکے کا بیاہ تمہارے ہاں کر دیں تو تم ہمارے لڑکے کو بھی دین سے پھیر دو گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے مطعم سے پوچھا "جو کچھ یہ کہہ رہی ہے یہی تمہارا قول بھی ہے۔" اس نے کہا وہ یہی کہتی ہے۔ یہ جواب سُن کر حضرت ابو بکرؓ اس کے ہاں سے نکل آئے اور اللہ نے اُس مخمصے سے ان کو نکال دیا جس میں وہ مُطْعِم سے وعدہ کر کے پھنس گئے تھے۔ پھر انہوں نے خولہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے ہاں بلا لاؤ۔ وہ حضورؐ کو بلا لائیں اور حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ کا نکاح آپؐ سے کر دیا۔ اس وقت وہ ۶ برس کی تھیں۔

اس کے بعد خولہ وہاں سے نکل کر حضرت سَوْدَہ بنت زَمْعَہ کے ہاں گئیں اور کہا کیسی خیر و برکت ہے جس سے اللہ نے تم کو نواز دیا ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا؟ خولہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا میرے باپ سے اس کا ذکر کرو۔ وہ بہت بوڑھا آدمی تھا۔ خولہ اس کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقے پر اسے سلام کر کے پہلے اپنا تعارف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرایا، اور پھر کہا مجھے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سودہ کے لیے پیغام دے کر بھیجا ہے۔ اس نے کہا جوڑ تو بہت اچھا ہے، مگر تمہاری سہیلی کیا کہتی ہے؟ خولہ نے کہا وہ بھی اس رشتے کو پسند کرتی ہیں۔ اس نے حضرت سودہ کو بلا کر ان کی مرضی پوچھی، اور جب انہوں نے رضامندی کا اظہار کیا تو اس نے حضورؐ کو اپنے ہاں بلا کر آپؐ سے اُن کا نکاح کر دیا۔ بعد میں حضرت سودہؓ کا بھائی عَبد بن زَمعَہ حج کر کے آیا تو یہ سن کر کہ اُس کی بہن کی شادی حضورؐ سے ہو گئی ہے اُس نے اپنے سر پر خاک ڈالنی شروع کر دی۔ پھر جب یہ صاحب خود مسلمان ہو گئے تو کہتے تھے کہ میں اُس وقت کیسا بیوقوف تھا کہ اپنی بہن سے حضورؐ کے نکاح پر میں نے اپنے سر پر خاک ڈالی۔

حضرت عائشہؓ کے نکاح کی تاریخ اس روایت سے نہ صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح حضرت سودہؓ سے پہلے ہوا تھا بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہجرت سے تین سال پہلے سنہ ۱۰ بعد بعثت کے ماہ شوال میں جب حضورؐ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا اُس وقت وہ چھ برس کی تھیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ حضرت عائشہ شوال سنہ ۱۰ بعد بعثت میں ۶ سال کی تھیں، تو ہجرت کے وقت ان کی عمر ۹ سال ہونی چاہیے، اور معتبر روایات کی رو سے جب شوال سنہ ۲ ہجری میں ان کی رخصتی ہوئی تو وہ گیارہ سال کی ہونی چاہییں، حالانکہ تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ ان کا نکاح ۶ برس کی عمر میں ہوا اور رخصتی ۹ سال کی عمر میں ہوئی۔ اس سوال کا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہجرت کے سات مہینے بعد ہوئی، اور حافظ ابن حجرؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ لیکن امام نوویؒ نے تہذیب الاسماء واللغات میں اور حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ میں اور علامہ قسطلانیؒ نے مواہب اللدنیہ میں قطعیت کے ساتھ کہا ہے کہ رخصتی سنہ ۲ھ میں ہوئی تھی۔ حافظ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوۂ بدر سے واپس تشریف لانے کے بعد شوال سنہ ۲ھ میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی۔ امام نوویؒ اور علامہ عینیؒ، دونوں نے اس قول کو واہی قرار دیا ہے کہ یہ رخصتی ہجرت کے سات مہینے بعد ہوئی۔ اس کے بعد لازماً دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر رخصتی سنہ ۲ھ میں ہوئی تو پھر نکاح کی تاریخ کونسی تھی جو حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت نکاح ۶ سال اور بوقتِ زفاف ۹ سال سے مطابقت رکھتی ہو؟ اس کا جواب ہم کو بخاری کی اُس حدیث سے ملتا ہے جو انہوں نے عُروہ بن زبیر کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ اس میں حضرت عُروہ کہتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی، دو سال یا اس کے قریب مدت تک توقف فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے حضرت عائشہ سے نکاح کیا جبکہ وہ ۶ سال کی تھیں، پھر ۹ سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی۔ اِس سے حساب بالکل صحیح بیٹھتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح ۶ سال کی عمر میں ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے ہوا اور زِفاف سنہ ۲ ہجری میں ہوا۔ حضرت عُروہ کی یہ روایت اگرچہ مُرسَل ہے، لیکن حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ عُروہ چونکہ اس طرح کی روایات حضرت عائشہؓ سے سُن کر ہی بیان کرتے ہیں[1]، اس لیے اسے متّصل کے حکم میں سمجھنا چاہیے۔

نکاحِ عائشہؓ پر اعتراضات

چونکہ یہاں حضرت عائشہ کے نکاح کا ذکر آگیا ہے اس لیے آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِسی جگہ اُن اعتراضات کا جواب بھی دے دیا جائے جو حضورؐ کے اِس نکاح پر کیے جاتے ہیں۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ ۵۴ - ۵۵ سال کی عمر میں ۹ سال کی ایک لڑکی سے شادی کرنا، اور ۱۸ سال کی عمر میں اسے بیوہ چھوڑ جانا، جبکہ قرآن کی رُو سے اُس کا نکاحِ ثانی بھی کسی شخص سے نہ ہوسکتا ہو، کیا یہ (معاذ اللہ) ظلم نہیں ہے؟ اور کیا اِتنے سن رسیدہ آدمی کے لیے اِتنی کم سن لڑکی کا نکاح (معاذ اللہ) نفس پرستی کی تعریف میں نہیں آتا؟ اور کیا ۹ سال کی عمر ایسی ہوتی ہے کہ اس میں کسی لڑکی پر ازدواجی زندگی کا بار ڈال دیا جائے؟

دراصل اِس قسم کے اعتراضات صرف اُس صورت میں پیدا ہوتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ کے نکاح کو ایک عام مرد اور ایک عام لڑکی کا نکاح سمجھ لیا جائے۔ حالانکہ حضورؐ اللہ کے رسول تھے جن کے سپرد انسانی زندگی میں ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کرنا اور معاشرے کو اس انقلاب کے لیے تیار کرنا تھا۔ اور حضرت عائشہؓ ایک غیر معمولی قسم کی لڑکی تھیں جنھیں اپنی عظیم ذہنی صلاحیتوں کی بنا پر اِس انقلابی معاشرے کی تعمیر میں حضور کے ساتھ مل کر اِتنا بڑا کام کرنا تھا جتنا دوسری تمام ازواجِ مطہرات سمیت اُس وقت کی کسی عورت نے نہیں کیا، بلکہ یہ بات بلامبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ دنیا کے کسی رہنما کی بیوی بھی اپنے شوہر کے کام کی تکمیل میں ایسی زبردست مددگار نہیں بنی جیسی حضرت عائشہؓ حضورؐ کی مددگار ثابت ہوئیں۔ اُن کے بچپن میں اُن کی اِن صلاحیتوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ تھا۔ اسی بنا پر اپنے رسولؐ کی معیت کے لیے اُن کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا۔ بخاری، باب تزویجِ عائشہ میں ہے کہ حضورؐ نے

---

[1] واضح رہے کہ حضرت عُروہ بن زبیر حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے اس لیے اپنی خالہ صاحبہ کے متعلق جو بات وہ بیان کرتے تھے وہ اُن سے سُن کر ہی بیان کرتے تھے، خواہ روایت بیان کا حوالہ انہوں نے دیا ہو یا نہ دیا ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عائشہ سے فرمایا کہ مجھے خواب میں تم کو دو دفعہ دکھایا گیا اور کہا گیا تھا کہ یہ آپ کی بیوی ہے۔ ترمذی، ابواب المناقب میں ہے کہ جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہ کی تصویر سبز ریشم میں لائے اور آپ سے کہا کہ یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی بیوی ہیں۔ پس یہ انتخاب حضورؐ کا اپنا نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا تھا، اور اللہ ہی کو یہ معلوم تھا کہ ۹ سال کی اس کمسن لڑکی کو اس کے رسول پاک کے فیضِ تعلیم و تربیت سے سیراب ہو کر اسلامی معاشرے کی تعمیر میں کس قدر عظیم خدمت انجام دینی ہے۔

جو لوگ اس معاملہ میں حضورؐ پر نفس پرستی کا الزام لگاتے ہیں وہ ذرا اپنے ضمیر سے پوچھ کر بتائیں کیا ایسا شخص نفس پرست ہو سکتا ہے جو پچیس سال کی عمر میں پچاس سال کی عمر تک صرف ایک ایسی بیوی پر قانع رہے جو عمر میں اس سے ۱۵ سال بڑی ہو؟ جو پہلی بیوی کی وفات کے بعد ایک سن رسیدہ بیوہ سے نکاح کرے اور چار یا پانچ برس تک صرف اسی پر قناعت کیے رہے؟ جو اگر نفس پرستی کی خاطر شادیاں کرنے والا ہوتا تو معاشرے میں اسے اتنی زبردست محبوبیت حاصل تھی کہ وہ جتنی اور جیسی خوبصورت باکرہ لڑکیوں سے بیاہ کرنا چاہتا ان کے والدین اپنے لیے فخر و عزت سمجھ کر اس کے حضورؐ پیش کرنے کے لیے تیار ہو جاتے؟ جو اس کے باوجود صرف ایک باکرہ لڑکی کے سوا بعد میں جتنی شادیاں بھی کرے بیوہ یا شوہر دیدہ (ثَیِّبَہ) عورتوں ہی سے کرے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس نوعیت کے اعتراضات کرنے والے اپنے ذہن میں ازدواجی زندگی کا صرف شہوانی تصور ہی رکھتے ہیں۔ ان کے پست ذہن اتنی بلندی تک جا ہی نہیں سکتے کہ اس عظیم انسان کے مقاصدِ ازدواج کو سمجھ سکیں جو ایک اعلیٰ و ارفع کام کی مصلحتیں مدِنظر رکھ کر کچھ خواتین کو اپنی شریکِ زندگی اور شریکِ کار بناتے۔

رہا ظلم کا الزام، تو اس معاملہ میں بھی معترضین بس یہ ایک سادہ سی صورتِ واقعہ پیش نظر رکھتے ہیں کہ ایک سن رسیدہ آدمی نے ۹ سال کی لڑکی سے شادی کر کے ۱۸ سال کی عمر میں اسے بیوہ چھوڑ دیا جبکہ اس کے لیے نکاحِ ثانی کا بھی کوئی امکان نہ تھا اور اسے ساری جوانی بیوگی کے عالم ہی میں گزارنی تھی۔ اس عام سطح سے بلند تر ہو کر یہ لوگ کبھی یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، اور نہیں کرنا چاہتے کہ جس کارِ عظیم کا فائدہ خلقِ خدا کو کسی محدود زمانے کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، اور کسی محدود علاقے میں بھی نہیں بلکہ دنیا بھر میں پہنچنے والا ہو، اس کام میں ہزاروں لاکھوں انسانوں کی جانیں اور ان کے مال کھپ جانا بھی کوئی مہنگا سودا نہیں ہے، کجا کہ صرف ایک خاتون کی جوانی اس میں کھپ جانے کو قربانی کے بجائے ظلم سے تعبیر کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور وہ جوانی بھی اگر قربان ہوئی تو صرف اِس معنی میں کہ اس کو ازدواجی زندگی کے لطف سے محروم ہونا پڑا۔ اس کے ماسوا کسی اور نقصان کی وہ لوگ نشان دہی نہیں کر سکتے جو اُس بلند پایہ خاتون کی ذات کو پہنچا ہو۔ لیکن دوسری طرف دیکھیے کہ گھریلو زندگی کے تمام خرخشوں اور مشغولیتوں سے فارغ ہو کر اپنی پوری بقیہ زندگی کو عورتوں اور مردوں میں اسلام اور اس کے احکام و قوانین اور اس کے اخلاق و آداب کی تعلیم دینے میں صرف کر کے اُس عظیم ہستی نے کتنی بے بہا خدمات انجام دیں۔ علمِ حدیث کا جس شخص نے بھی مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے جتنا علمِ دین مسلمانوں کو پہنچا اور فقہِ اسلامی کی معلومات حاصل ہوئیں، اس کے مقابلے میں عہدِ نبوت کی عورتیں تو درکنار، مرد بھی کم ہی ایسے ہیں جن کی علمی خدمات کو پیش کیا جا سکے۔ اگر حضرت عائشہ حضور کے نکاح میں نہ آتیں اور آپ سے تعلیم و تربیت پانے کا ان کو موقع نہ ملتا، تو اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کے علم کا کتنا بڑا حصہ اُمتِ مسلمہ تک پہنچنے سے رہ جاتا۔ اُن سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں اور وہ صرف احادیث روایت کرنے والی ہی نہ تھیں بلکہ فقیہ اور مفسر اور مجتہد اور مفتی بھی تھیں۔ انہیں بالاتفاق مسلمان عورتوں میں سب سے زیادہ فقیہہ مانا جاتا ہے۔ اکابر صحابہ ان سے مسائل پوچھتے تھے، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی بعض مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ان کا شمار مدینہ طیبہ کے ان چند علماء میں ہوتا تھا جن کے فتوے پر لوگوں کو اعتماد تھا۔ اس بیش بہا اجتماعی فائدے کے مقابلہ میں وہ تھوڑا سا ذاتی نقصان کیا حیثیت رکھتا ہے جو حضرت عائشہؓ کو جوانی میں بیوہ ہو جانے سے پہنچا۔ اور تعجب تو یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں یہ اعتراض وہ عیسائی حضرات کرتے ہیں جن کے ہاں کسی اجتماعی مفاد کے بغیر محض بے مقصد تجرّد کی زندگی بسر کرنا راہبوں اور راہبات کے لیے صرف قابلِ تعریف ہی نہیں ہے بلکہ مذہبی خدمات بجا لانے والوں کے لیے لازم بھی ہے۔

پھر جن لوگوں کو ۹ برس کی عمر میں حضرت عائشہؓ کے زفاف پر اعتراض ہے وہ نہیں جانتے کہ اسلام دینِ فطرت ہے، اور فطری حیثیت سے جب ایک لڑکی کا نشوونما اتنا اچھا ہو کہ اِس عمر میں جسمانی طور پر وہ بالغ ہو چکی ہو تو اس کا شوہر کے پاس جانا بالکل جائز و معقول ہے۔ صرف ایک غیر فطری اور غیر اخلاقی قانون ہی نکاح کے لیے لڑکی اور لڑکے کی ایک خاص عمر مقرر کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ قید صرف جائز ازدواجی تعلق ہی پر پابندی عائد کرتی ہے، خارج از نکاح تعلقاتِ مرد و زن پر کوئی پابندی نہیں لگاتی۔ اور بات صرف اِتنی ہی نہیں ہے کہ ایسے قوانین بنانے والوں کو عمرِ نکاح سے پہلے زنا کے ارتکاب پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی اعتراض نہیں ہے، بلکہ عملاً آج ان کے ہاں ۹ - ۱۰ سال کی لڑکیاں اور لڑکے آزادانہ جنسی عمل کر رہے ہیں، اور اس کے نتیجے میں اگر کوئی لڑکی "کنواری ماں" بن جائے تو اُن کی ساری ہمدردیاں اُسی کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اُس وقت کوئی اعتراض نہ اُس لڑکی پر ہوتا ہے جو عمرِ نکاح سے پہلے ماں بنی، اور نہ اُس لڑکے پر ہوتا ہے جس نے عمرِ نکاح سے پہلے ایک لڑکی کو ماں بنایا۔ ایسی گھٹیا اخلاقی اقدار رکھنے والے آخر کیا منہ لے کر اسلام کے اِس قانون پر اعتراض کرتے ہیں کہ جسمانی طور پر جو لڑکے اور لڑکیاں بالغ ہوں ان کا نکاح جائز ہے اور اِس کے لیے کسی خاص عمر کی شرط نہیں ہے۔ شادی کے لیے قانوناً ایک عمر مقرر کر دینے کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اِس عمر کو پہنچنے سے پہلے عقدِ حلال بہرحال نہیں ہو سکتا، خواہ فعلِ حرام کتنا ہی ہوتا رہے۔

(باقی)

© rasailojaraid.com